قدیم و جدید اٹامزم اور سائنس کی مثلث

☆☆☆

علامہ یوسف جبریل

اوکاسا پبلیکیشنز واہ کینٹ

OQASA Publications

ملنے کا پتہ

ادارہ افکار جبریل مین بازار نواب آباد واہ کینٹ

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب: قدیم وجدید اٹامزم اور سائنس کی مثلث

مصنف علامہ محمد یوسف جبریل

ناشر: اوکاسا پبلیکیشنز (ادارہ افکار جبریل مین بازار نواب آباد واہ کینٹ ضلع راولپنڈی۔ www oqasa.org

oqasaorg@gmail.com

Phone No. 03009847582

پرنٹر   اسد محمود پرنٹنگ پریس گوالمنڈی راولپنڈی

تحریر   سال۱۹۸۲ء

پہلی اشاعت   ۲۰۰۲

دوسری اشاعت   ۲۰۰۵

ملنے کا پتہ

ادارہ افکار جبریل مین بازار نواب آباد واہ کینٹ ضلع راولپنڈی

فہرست مضامین

باب اول   قدیم وجدید انا مزم اور سائنس کی مثالث

باب دوم   نظریہ ءپاکستان کو تقویت دینے والے عوامل

باب سوم   جدید فلسفہ اور قدیم فلسفہ ءانا مزم اور بحث کے بنیادی   نکات

باب چہارم   انا مزم، ہمزہ، لمزہ کلچر

باب پنجم   حطمہ کی سائنسی تشریح ایک خفیہ حقیقت کا انکشاف
قرآن حکیم کا ایٹمی دور کا ایک لازوال معجزہ

باب اول

قدیم وجدید اٹامزم اور سائنس کی مثلث

میں اپنی کتاب ''سر جیمز جینز کی عجیب وغریب کائنات اور قرآن حکیم کا نظریہ'' کی تکمیل کے آخری مرحلوں میں تھا کہ اتفاقاً روزنامہ نوائے وقت کے ۱۷ جون ۱۹۸۱ء کے اقراء کے کالم میں پروفیسر سید ضیاءاللہ ضیاء صاحب کا مضمون نظر پڑا۔ عنوان تھا' ''نظریہء پاکستان کو تقویت دینے والے عوامل''۔ نفسِ مضمون کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اس بیش قیمت مضمون کا عنوان وضع کرنا چاہا تو کُھلا کہ یوں بھی کہا جا سکتا ہے۔''قدیم لادین اٹامزم کے تانے میں جدید مادہ پرست اٹامزم کے بانے پر ہلاکت آفرین سائنس کی گلکاریاں''۔ میرے لئے اس مضمون میں کشش کا سبب یہی رابطہ تھا جو صاحبِ مضمون نے قدیم اور جدید اٹامزم اور جدید سائنس میں قائم کیا۔ کیونکہ میری اس کتاب کا موضوع بھی یہی تھا۔ میری دلچسپی اس مضمون میں اس لئے بھی ظاہر ہوئی کہ سر جیمز جینز کے بارہ صفحوں والے مضمون جو میری کتاب کا موضوع تھا اور جناب ضیاء صاحب کے اس مضمون میں بعض باتیں اچھی خاصی مماثلت کی حامل نظر آتی ہیں۔ دونوں کی ضخامت تقریباً برابر ہے۔ دونوں ہی تحقیقی پہلو لئے ہوئے ہیں۔ دونوں ہی قدیم وجدید اٹامزم اور سائنس سے متعلق ہیں۔ دونوں کی فکری نہج میں بھی ایک انداز سے مشابہت پائی جاتی ہے۔ دونوں ہی ایک غیر معمولی قابلیت سے مضمون کو سمیٹتے نظر آتے ہیں۔ اور دونوں ہی ایک غیر معمولی جرائت و جسارت کے مظہر ہیں۔ اور دونوں کی نہج شاکیانہ ہے۔ لیکن سب سے بڑھ کر جو وجہ میری اس مضمون میں کشش کی میرے ذہن میں آسکتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اولاً خود میرے لئے یہ مضمون ایک انکشاف کی حیثیت کا حامل ثابت ہوا۔ میرے اپنے نقطہء نگاہ سے مجھے یہ مضمون عبقریت کی حد تک اچھا نظر آیا۔ کیونکہ میری بات کی قطعی تصدیق کر رہا تھا۔ اور دوم یہ کہ اس مضمون کو پڑھ لینے کے بعد اس دنیا والے میرے خصوصی نظریات کی بنا پر مجھے کوئی مریخ یا مشتری یا زحل سے اُترا ہوا انسان نہیں سمجھیں گے اور میری زبان کو قمری زبان تصور نہیں کریں گے بلکہ جان لیں گے کہ میں ہی تنہا اس فکر کا حامل نہیں بلکہ بعض دیگر حضرات بھی جن کو قدرت کی طرف سے اعلیٰ فکری صلاحتیں ودیعت ہوئی ہیں اسی نہج پر سوچتے ہیں۔ جس پر میں سوچتا ہوں۔ میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ یہ مضمون اپنی خصوصی موزونیت، معنویت اور اہمیت کے پیشِ نظر دلچسپی کا باعث ہی نہیں ہوگا بلکہ بہت بڑی فکری افادیت کا سبب بھی بنے گا۔ معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ صاحبِ مضمون نے اس دورِ جدید کی کڑی قدیم یونانی فلسفے کے جس مکتبِ فکر سے ملائی ہے۔ یہ جدید دور اس کا مخالف ہے اور ایک دوسرے یونانی مکتبِ فکر پر اٹھا ہے جس کا نام ایٹمی نظریئے والا مکتبِ فکر ہے اور جسکا بانی مبانی دیموقراطیس تھا۔ اہم بات یہ ہے کہ افلاطون، ارسطو اور سقراط تینوں ہی قدیم یونانی ایٹمی نظریئے کے شدید مخالف تھے اور یہ ان کی مخالفت ہی کا نتیجہ تھا کہ ایٹمی نظریہ عہدِ قدیم میں اپنے وجود کو برقرار نہ رکھ سکا اور اگر ہمیں ان تینوں حضرات سے بعض نظریاتی اختلافات بھی ہو تب بھی یہ حضرات اپنی عظمتِ فکری کے سبب واجب الاحترام ہیں۔ البتہ جدید یورپ نے انہیں نکو بنا دیا اور دیموقراطیس کو اپنا ہیرو مان لیا۔ یہ نکتہ بڑی امتیازی حیثیت کا مالک ہے اور جس روز مسلمان اس سے باخبر ہو گئے انشاءاللہ تعالیٰ اپنی حقیقی منزل اور اس دور میں اپنا اصلی خصوصی کردار سمجھ لیں گے اور انسانیت کے وارے نیارے ہو جائیں گے۔ مضمون

مندرجہ ذیل ہے۔

باب دوم

نظریہء پاکستان کو تقویت دینے والے عوامل (مضمون)

(پروفیسر سید ضیاء اللہ ضیا)

''میرے ۲۲ اپریل کے اقراء کے مضمون کے سلسلہ میں مختلف نادیدہ دوستوں کے تاثرات پر مشتمل خطوط موصول ہو رہے ہیں۔ جن میں تحسین اور مذمت وذم دونوں کا پہلو موجود ہے۔ اگرچہ ان کی حیثیت نجی ہے۔ لیکن خصوصیت سے ایک پروفیسر جناب عبدالرحمٰن صاحب شعبہء کیمیاء کے خط کے مندرجات جستہ جستہ مقامات سے قارئین کی دلچسپی کے لئے پیش ہیں۔ موصوف لکھتے ہیں۔ ''اقراء کی وساطت سے ایک عرصہ سے آپ کو آوازِ حق بلند کرتے دیکھ رہا ہوں اور آپ کے حوصلے اور ہمت کی داد دیتا ہوں۔ ۲۲ اپریل کا اقراء میرے سامنے ہے۔ آپ نے ٹیلی ویژن کے بارے میں جو اظہارِ خیال فرمایا ہے۔ اب وہ چیزیں اوپر والوں کے لئے ان کی تہذیب وثقافت کا لازمی حصہ سمجھی جاتی ہیں۔ لہذا اگر خوردبین لگا کر بھی وہ ان چیزوں کے اندر برائی دیکھنا چاہیں تو نظر نہیں آتی۔ دیکھنے کے اطوار بدل جائیں تو نگاہیں اس طرح اندھی ہو جاتی ہیں۔ اشیاء کے حُسن وقبح کا معیار بھی فکر کی پاکیزگی اور پراگندگی پر منحصر ہوتا ہے۔ ٹی وی کا یہ تلوطا اسلام کیا کیا گل کھلائے گا؟ اس کے نتائج سے کون لال بجھکو آنکھیں بند کر سکتا ہے؟ کوئی لال بجھکو اگر آنکھیں بند کرے تو کرے حقیقت شناس نگاہوں سے اس کے مضمرات دھندلے نہیں رہ سکتے۔ ویٹ نام جب امریکہ کے ساتھ اپنی بقا کی جنگ لڑ رہا تھا تو ویٹ نام کے ریڈیو پر موسیقی اس لئے ممنوع رہی کہ یہ قوی کو سلا دیتی ہے۔ اور پھر جب ایک برسرِ پیکار قوم سو جاتی ہے تو پھر تو کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ ہم تو ہر آن، ہر لحہ امن میں بھی اور جنگ میں بھی داخل میں بھی اور خارج میں بھی شیطانی قوتوں سے برسرِ پیکار ہیں۔ وی سی آر نے قیامت برپا کر دی ہے۔ پہلے شرم سے آنکھیں جُھک بھی جاتی تھیں لیکن ٹی وی کی ثقافت نے نگاہوں کو اتنا بے باک اور ذہنوں کو اتنا فراخ کر دیا ہے۔ کہ دیدے پھاڑ پھاڑ کر ٹی وی کی سکرن پر ننگے جسموں کو پتھرائی ہوئی آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے۔ مائیں بھی دیکھتی ہیں بیٹیاں بھی اور بہنیں بھی۔ یوں لگتا ہے جیسے انسان کے اندر کا وحشی شرم وحیا کی ہر قدر کو مٹا دینے کے درپے ہو''۔ پروفیسر عبدالرحمٰن صاحب کا خط بہت طویل ہے اور انہوں نے زندگی کے تقریباً سارے شعبوں کا تجزیہ کرتے ہوئے اجتماعی فساد کا مرثیہ کہتے ہوئے ان کے محرکات کو بھی موضوع بحث بنایا ہے۔ ہمارے جملہ شعبہء حیات میں بگاڑ اپنی آخری انتہاؤں کو چھو رہا ہے۔ 'تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم'، اس بگاڑ کے ماخذ بہت قدیم اور پیچیدہ ہیں۔ افلاطون 'ری پبلک' میں ایک نصب العینی مملکت کا خاکہ وہ اپنے استاد سقراط کی زبانی کچھ اس انداز میں کھینچتا ہے۔ ''یہاں جسمانی حسن سب سے بڑی سچائی ہے۔ جسمانی حسن عریانیت میں اپنی انتہاء کو پہنچتا ہے۔ اس لئے جسمانی تربیت سازاداروں کی کثرت

ہونی چاہیئے۔ جہاں مرد وزن بغیر کسی روک ٹوک اور فرسودہ اخلاقی ضابطوں کے اپنے جسمانی کمالات کا اظہار کر سکیں۔ صحت مند قوم کی تخلیق کے لئے صحت مند مرد وزن کا اختلاط ضروری ہے جسمانی طور پر ناکارہ بچوں کے اتلاف کا حکومت کو اپنے طور پر خفیہ انتظام کرنا چاہیئے۔ شادی اور ماں باپ وغیرہ کی اصطلاحیں ناقص اور دور از کار رفتہ ہیں۔ چنانچہ یونانِ قدیم میں مجسمہ سازی نقالی، جمنازیم مخلوط کھیلیں عام تھیں۔ یونان کی یہی میراث روم منتقل ہوئی لیکن چونکہ وہ عسکری ذہن رکھتے تھے اس لئے اس چیز نے وہاں SKEPTICISM کی شکل اختیار کر لی۔

رومی تہذیب کے زوال کے بعد سے یورپ کی نشاۃ ثانیہ تک ہزاروں سال کے دورِ مظلمہ میں یورپ لادینیت اور اخلاق باختگی کی ان آخری سرحدوں کو ابھی تک نہیں پہنچا جہاں وہ دورِ جدید کے باغیوں میکیاولی، ڈارون سیگمنڈ فرائڈ، ہیگل اور کارل مارکس کے مذہب و اخلاق سے رشتہ توڑنے کے ساتھ ساتھ یونانِ قدیم کی ان ملحدانہ اور مادہ پرستانہ بنیادوں کو نئی فکر اور نئی جہت عطا کرنیکے بعد پہنچا ہے۔ اس جدید جہالت اور مادہ پرستی نے ہمارے مستغربین Occidentalists کو اس بودی تہذیب و فکر کی چکا چوند سے اس حد تک متاثر کیا کہ ہمارے مشاہیر اس رو میں بہہ گئے۔ سید جمال الدین افغانی نے عالمِ اسلام کے اتحاد کے لئے اپنی پوری زندگی صرف کی۔ استعماری پنجوں میں جکڑی ہوئی دنیائے اسلام نے خوابِ غفلت سے انگڑائی لی۔ مکہ معظمہ میں اُم القریٰ کے نام سے ایک انجمن بھی قائم ہوئی جس کا کام خلافت کے تنِ مردہ میں نئی زندگی ڈالنا تھا۔ ۱۹۱۱ء میں سالونیکا کے مقام پر اتحادِ اسلامی کانفرنس منعقد ہوئی لیکن مغربی استعمار نے نوآبادیاتی اسلامی ممالک میں وطنیت کا زہر پھیلا کر ان کے اتحاد کو پھر پارہ پارہ کرنا شروع کر دیا۔ ان کا حال معلوم کرنے کے لئے گِب کی کتاب Wither Islam? کا مطالعہ بہت سی سازشوں سے پردہ اٹھا دینے کے لئے کافی ہے۔ علامہ اقبالؒ کو وطنی قومیت کی اس زہر کا علم تھا اس لئے انہوں نے یورپ کے تصورِ وطنیت کے خلاف بہت کچھ لکھا اور اس سلسلے میں مولانا حسین آحمد مدنیؒ اور مولانا ابوالکلام آزادؒ جیسے اکابر علما کو بھی معاف نہ کیا۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ کے اسیری ۱۹۲۰ء۔۱۹۲۱ء کے بعد کے افکار و تصورات تو خالصتاً مغربی ہو گئے تھے۔ سر سید آحمد خان عظیم مصلح تھے لیکن مغربی افکار کے معاملہ میں ان کا رجحان بھی معذرت خواہانہ تھا۔ جسٹس سید امیر علی کی "سپرٹ آف اسلام" اگرچہ بہت اعلیٰ پایہ کی تصنیف ہے اور ان کا مقصد بھی اہلِ مغرب کو اسلام سے آگاہ کرنا تھا لیکن مغرب پرستی اور معذرت خواہی میں اس موضوع سے وہ انصاف نہ کر سکے۔ ضیا گوکلپ، مصطفےٰ کمال اتاترک کی مذہب بیزاری کا اصل موجب تھا۔ مصر میں بھی جدیدیت اور مغرب پرستی نے وباء کی صورت اختیار کر لی۔ یہاں سید جمال الدین افغانی کی اسلامی تاریخ کی باقیات نے اس سیلِ تندرو کا مقابلہ کیا محمد عبدہ اور ان کے ساتھیوں کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس جدید جہالت کے خلاف مختلف اسلامی ممالک میں مختلف مزاحمتی تحریکیں برپا ہوئیں۔ لیکن بدقسمتی سے مغربی استعمار سے آزادی حاصل کرنے کے بعد بیشتر اسلامی مملکتیں مغرب کے سجادہ نشینوں ہی کے ہاتھ میں رہیں۔ جہاں وہی مغربی تہذیب واقدار فروغ پذیر ہے۔ مرورِ ایام و اعصار کے باوصف یونانِ قدیم کے تہذیبی رکھ رکھاؤ، فکری بنیادوں، فنونِ لطیفہ اور باقی تہذیبی و ثقافتی مظاہر جوہر فرق کے بغیر محض لیبل بدل بدل کر اسلامی معاشرے کو POLLUTE کرتے رہے۔ جیسا کہ میں نے ابتداء میں عرض کی تھی کہ یورپ کی نشاۃ ثانیہ نے مذہبی اقدار کے خلاف اس درجہ بغاوت کی۔ کہ میکیاولی سے برٹرینڈ رسل تک تقریباً

کبھی فلاسفروں اور سائنس دانوں نے ہستی ءباری تعالیٰ اور حیات بعد الممات کا مضحکہ اڑایا۔اس کی تفصیل کے لئے اقراء کے صفحات کافی نہیں ۔ہستی باری تعالیٰ اور حشر نشر کے اثبات وانکار نے زندگی کے دو متضاد رویوں کو جنم دیا۔ایک رویہ مادہ پرستی کا تھا جس کا مقصود محض دنیا کی ترغیبات تک محدود رہا۔اس روّیئے نے انسان کو سرمایہ داری،اشتراکیت،فسطائیت اور جوع الارضی میں گرفتار کر کے اسے ریچھ بنادیا بھیڑیا بنادیا۔اس بہیمت و درندگی کے مظاہرے آج ان بےخدا نظاموں کے ذریعے دنیا میں ہر کہیں ہورہے ہیں ۔لیکن اس کا مظہر اتم بیگناہ افغانستان بنا ہوا ہے۔بیس بائیس لاکھ بےقصور افغانیوں پر عرصہءحیات تنگ کرکے انہیں پاکستان جیسے غریب ملک میں دھکیلا گیا ہے۔ چودہ پندرہ لاکھ افغانیوں کو توپوں اور بموں کا چارہ بنایا گیا ہے۔اور لاکھوں کو ایران،مغربی یورپ، ہندوستان اور امریکہ میں پناہ لینے پر مجبور کیا گیا ہے۔بقول پروفیسر عبدالرحمٰن صاحب ایسا لگتا ہے انسان کے اندر کا وحشی باہر نکل کر جارحیت اور بربریت کا ننگا ناچ کررہا ہے۔یہ اس رویہ زندگی اور مقصودِ حیات کا شاخسانہ ہے جو میکیاولی سے ہیگل اور کارل مارکس تک مغربی دانش وروں اور فلسفیوں نے اپنی تحریروں میں دنیا کے سامنے پیش کیا۔سائنسی ایجادات نے ان بےخدا اور غیر انسانی فلسفوں کو قوت بہم پہنچا کر انہیں نوعِ انسانی کے لئے موجب ہلاکت بنادیا ہے۔دوسرا رویہ زندگی ہستی باری تعالیٰ اور حشر ونشر کے اقرار سے جنم لیتا ہے۔اس میں ایک ایک لمحہ کیلئے اعمال کی جواب دہی کا تصور ہے۔فلاح و خسران کا دارومدار اس امر پر موقوف ہے کہ انسان کے ازلی داعیہ خیر کو تحریک دینے والے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کی یا اس سے ہٹ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ کا معیار حق ہے۔ہدائت صرف اور صرف اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشروط ہے۔اور باقی جو کچھ ہے وہ عین ضلالت فماذا بعد الحق الّا الضلال۔اسلام ایک مکمل اور ابدی نظامِ حیات ہے۔جس کے جملہ شعبے باہم مربوط ہیں۔استعماری غلامی نے ہمارے قلب واذھان کو اس حد تک متاثر کیا ہُوا ہے کہ ہم معذرت خواہی کے بغیر بحیثیتِ اُمّتِ مُسلمہ ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کرسکے۔کہ ہمارے پاس اپنا ایک افضل واکمل نظامِ حیات ہے۔ ہمیں کسی بیرونی نظام کی پیوندکاری کی قطعاً کوئی حاجت نہیں۔اس فکری پراگندگی نے ہماری قوت کو پارہ پارہ کر رکھا ہے۔

چوں شود اندیشہء قومے خراب ناسرہ گردد بدستش سیمِ ناب
مُرد اندر سینہِ اش قلب سلیم در نگاہش کج نماید مستقیم
بر کنار از حرب و ضربِ کائنات چشمِ او اندر سکوں بیند حیات
پس نخستین بایدش تطہیرِ فکر بعد ازاں آساں شود تعمیرِ فکر

(پس چہ باید کرد)

اقراء کے صفحات ہی میں اپنے ایک مضمون میں کہا تھا کہ اگر ہمیں اسلام پر شرحِ صدر ہوجائے تو ہمارے تمام مسائل کا حل اور ہمارے دکھوں کا مداوا بس یہی ہے۔ہم اسلام کی تکرار محض تکلفاً اور رسماً کرتے ہیں۔لیکن اس کے حیات بخش اصولوں کے عملی نفاذ کو انفرادی اور اجتماعی طور پر نافذ کرنے میں متامل ہیں۔درحقیقت ہمارے تحت الشعور میں اس خیال نے جڑ پکڑلی ہے کہ جدید نظام ہائے حیات کے مقابلے میں اسلامی نظام از کار رفتہ ہے وگرنہ معذرت خواہی چہ معنی دارد؟ ہمارے ملی زوال واضمحال میں منجملہ دیگر عوامل کے سب سے بڑا عامل نظریہء

حیات کا فقدان ہے۔کبھی مغرب کے دستر خوان سے ریزہ چینی کرتے ہیں اور کبھی سوویت سامراج کے غیر انسانی اور غیر فطری نظام کو اپنے دکھوں کا مداوا سمجھتے ہیں۔مغربی نظامِ تعلیم نے ہمیں میراثاً اپنے نظریات وتصورات منتقل کرنے کا اہتمام کیا تھا۔ابھی تک ہم اس سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکے۔مثبت طور پر ابھی تک ہم اپنے لئے نظریہ ءحیات متعین نہیں کر سکے۔وضع قطع میں ہم نصاریٰ اور تمدن میں یہود ہیں۔ یونانِ قدیم کی اشتراکی حکمت مجوسیت ،شنکراچاریت یہودیت اور عیسائیت کے علاوہ جدید لادینی فلسفوں نے ہمارے قلب وذہن کو چوں چوں کا مربہ HOTCH POTCH بنا رکھا ہے۔قومی زندگی میں تین دہے خاصا عرصہ ہوتا ہے لیکن ہم نے ابھی تک بھٹکنا چھوڑ کر منزل کی طرف پہلا قدم بھی نہیں ڈالا۔کوئی ملک آئیڈیالوجی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا اور پاکستان کا اساسی نظریہ صرف اور صرف اسلام ہے۔اسلام سے پاکستان کی بقا مشروط ہے بالکل اسی طرح جسطرح صیہونیت سے اسرائیل اور اشتراکیت سے روس کی بقا مشروط ہے۔ اسلام ہمیں باطل قوتوں کے مقابلہ میں بنیانِ مرصوص بن جانے کی تاکید کرتا ہے لیکن مقصودِ حیات کے ترک کرنے سے ہم ذلیل وخوار ہیں۔

شبے پیشِ خدا بگریستم زار مسلماناں چرا خوارند و زارند

ندا آمد نمے دانی کہ ایں قوم دلے دارند و محبوبے ندارند

مقصودِ حیات کے عملی نفاذ ہی سے نتائج مرتب ہو کر ثمرات عام الناس تک پہنچتے ہیں۔موجودہ حکومت بلاشبہ دلسوزی کے ساتھ مثبت اقدامات کے ذریعے اسلامی نظامِ حیات کا نفاذ کرنا چاہتی ہے۔اقدامات کی تفصیل سنتے سنتے کان پک گئے ہیں۔لیکن مثبت نتائج کا قوم ھنوز بے چینی سے انتظار کر رہی ہے۔جو لوگ جمہور امت کے مُسلمہ عقائید کا مذاق اڑائیں۔وہ اس نظامِ عمل کا عملی نفاذ کرنے کے ہر گز اہل نہیں۔نہ ہی وہ لوگ جو قرانی تعلیمات اور سیرت مقدسہ کے عین برعکس تفریح کے نام پر فحاشی اور بے حیائی کے فروغ کے ذمہ دار ہیں۔اس نظام کے نفاذ کو منطقی انجام تک پہنچا سکتے ہیں۔اسلام ہرگز مخلوط مجالس گانے بجانے رقص وسرود غیر نصابی یا ہم نصابی سرگرمیوں کے طور پر ان خرافات کو برداشت نہیں کر سکتا۔گناہ ومنہیات کو خواہ آپ ثقافت اور فن کا حسین نام دیں۔اس سے حقیقت نفس الامری میں کیا فرق واقع ہوگا۔یہ وہی اسلامی سوشلزم کی اجتماع ضدین اصطلاح کی بات ہوئی یا اسلامی شراب،اسلامی طوائف وغیرہ جب تک اعلیٰ اور خالص اسلام UNADULTRATED نافذ نہیں ہوتا نتائج میں مثبت فرق محسوس نہیں ہو سکتا۔اس وقت پاکستان میں اسلامی نظام کے عمل کو سبوتاژ کفر ملتِ واحدہ کے طور پر کام کر رہا ہے۔یہ اسی شیطان پارٹی کے لوگوں کی کارستانی ہے کہ وہ اسلامی نظام کے صحیح نفاذ میں گام گام پر موانعات کے پہاڑ کھڑے کر رہے ہیں۔نوائے وقت کے ایک حالیہ اداریئے میں نظریہ ءپاکستان سے نوجوان نسل کو صحیح آگاہ کرنے کے لئے نظام تعلیم میں مثبت تبدیلیوں کی ضرورت پر زور دیا گیا تھا۔نظریہ ءپاکستان کے منافی مواد خارج کرنا ایک صلبی پہلو ہے۔اسے نظریہ ءپاکستان کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی ضرورت ہے۔تاکہ ہماری نوجوان نسل میں اسلام کے لئے غیر متزلزل ایمان وایقان پیدا ہو اور وہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں عصر جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کی تعلیم وتربیت حاصل کرے۔وسائلِ ابلاغ اب طلبہ وطالبات کے نصاب کا حصہ بن چکے ہیں۔اس لئے انہیں بے ہودگی،جرائم پیشگی،صنفی انارکی،عریانی اور فحاشی سے پاک کرنا ازبس ضروری

ہے۔ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے قرانی تعلیمات پر مشتمل الہدی پروگرام شروع کیا ہے۔یہ ٹیلی وژن کارپوریشن کی نہایت مستحسن کوشش ہے۔اور ذاتی طور پر میں نے ٹیلی وژن سنٹر لاہور کو اس سلسلہ میں متعدد خط بھی لکھے تھے۔اس پروگرام کو اگر اقرا کی طرح خبروں سے پہلے روزانہ دکھایا جائے تو اور بہتر ہوگا۔نشانِ راہ پروگرام اصلاح طلب ہے۔اسلام کو نفسیاتی اور فلسفیانہ موشگافیوں کی بھول بھلیوں سے ہٹا کر عام فہم اور آسان زبان میں پیش کیا جائے۔اسلام ہر عمل کے لئے سند کا طالب ہے۔خواہ یہ قران کی ہو یا حدیث کی خالی خولی اشتباہ زیادہ کرنے والی باتیں سود مند نہیں ہیں۔ستم ظریفی کی انتہا ملاحظہ کیجئے کہ دو ہفتے قبل الہدی کے ایمان افروز پروگرام کے بعد' کنواری فلم پیش کی گئی جس میں ہیروئن کنواری بالکل حیاسوز اور عریاں لباس میں پیش کی گئی۔ایک تالاب میں اگر دو چار ستھرے پانی کے نل پندرہ بیس منٹ کے لئے کھولے جائیں لیکن متعفن اور گندے پانی کے بیسوں نل ہر وقت کھلے چھوڑے جائیں تو وہاں پانی کیسے پاکیزہ رہ سکتا ہے۔وسائلِ ابلاغ اب محض تفریح کا ذریعہ نہیں رہے بلکہ تعلیمات اور انصاب کا حصہ بن چکے ہیں۔اس لئے ان میں ہمہ گیر اصلاح کی ضرورت ہے۔

حیاسوز فلموں اور مخرب الاخلاق لٹریچر پر پابندی لگانی ضروری ہے۔قوم کا مستقبل نوجوان نسل سے وابستہ ہے۔نوجوان نسل کی بہترین تربیت و تعلیم کا اہتمام ہر جہتی انداز میں کیا جانا چاہیئے۔پاکستان کی بقا اسلام سے وابستہ ہے اور اسلام کی حفاظت نوجوان نسل کے گرم خون ہی سے ہوگی۔نوجوان نسل نے پاکستان کے قیام کے لئے بے پناہ قربانیاں دیں۔میں زبورِ عجم حصہ دوم نظم نمبر 19 صفحہ 117 سے اقبالؒ کے چند اشعار کے ساتھ بات ختم کرتا ہوں۔

ایں نکتہ کشائندہء اسرارِ نہاں است ملک است تنِ خاکی و دیں روحِ رواں است

تن زندہ و جاں زندہ زربطِ تن و جاں است خرقہ و سجادہ و شمشیر و سناں خیز

ز خوابِ گراں خوابِ گراں خوابِ گراں خیز از خوابِ گراں خیز

(ترجمہ)'' میں تم کو ایک نکتہ بتاتا ہوں۔جس سے تم پر اسرارِ جہاں فاش فاش ہو جائیں گے۔وہ نکتہ یہ ہے کہ ملک کو بمنزلہ تنِ خاکی کے اور دین کو بمنزلہء روح کے سمجھو اور ظاہر ہے تن و جان دونوں کی زندگی ربطِ باہم پر موقوف ہے۔اسی طرح حکومت اور دین کو ایک دوسرے سے جدا نہ کرنا کہ دین کی حفاظت حکومت سے ہے اور حکومت کی درستی خوبی استحکام اور بقاء دین سے۔یہ نکتہ خفیہ رازوں کو کھولنے والا ہے۔ملک تن خاکی ہے اور دین روح رواں ہے۔تن زندہ اور جان زندہ تن و جان کے ربط سے ہے خرقہ اور سجادہ اور شمشیر و سناں لے کے اٹھ۔گہری نیند، گہری نیند، گہری نیند سے اٹھ گہری نیند سے اٹھ''۔ (مضمون تمت بالخیر)

باب سوم

جدید فلسفہ اور قدیم فلسفہ اٹامزم اور بحث کے بنیادی نکات

خدا جزائے خیر دے صاحبِ مضمون کو بڑی خوش اسلوبی اور دردمندی سے اپنے مضمون کو پایہء تکمیل تک پہنچایا ہے مگر تفتیشی مراحل کی ترتیب یہ ہے کہ جنابِ محقق نے مریض کو دیکھا پتہ چلا کہ بالفرض بخار میں مبتلا ہے۔یہ بھی معلوم ہُوا کہ کس قسم کے بخار میں مبتلا ہے۔اب مریض کو پرچی مل گئی ہے۔وہ آگے جائے گا۔جہاں ہر قسم کے آلات سے اس کے خون وغیرہ کی ٹسٹنگ ہوگی، ایکس رے ہوگا، پھر مریض وہاں سے اگلی سٹیج کو منتقل ہوگا۔وہاں بڑے ڈاکٹر صاحب بیٹھے ہیں۔وہ نسخہ تجویز کریں گے ہوسکتا ہے کہ اوپریشن تجویز کریں۔پھر مریض کو آگے بڑھایا جائے گا۔اور وارڈ میں علاج کی غرض سے داخل کرایا جائے گا۔علاج ہوگا اوپریشن کی ضرورت ہے تو اوپریشن ہوگا اور صحت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔اللہ تعالیٰ شفائے کلی عطا فرمائے۔آمین ثم آمین۔تحقیق کی اس لائن کو جسے صاحبِ مضمون نے اٹھایا ہے۔اس کا رخ صحیح ہونے کے سبب اسے آگے بڑھنا چاہیے۔یہ تو تھی اس مضمون کی بنیادی تمہید۔اب آگے اس فلسفے کے اثرات و مسائل اور ان کے پیدا کرنے والے محرکات کا جائزہ لیا جانا چاہیئے۔اور جب یہ ہو جائے تو پھر آخری مرحلہ علاج معالجے کا آئے گا۔اسی فلسفے کے نتیجے میں آج ہمہ عالم ہوس کے ایک طوفانی جنون کے شدید تپ میں مبتلا ہے عالم گیر ایٹمی تباہی کی گھٹائیں ہر طرف اُمڈ رہی ہیں۔ہر گھڑی، ہر لمحے یہ خدشہ قریب تر آ رہا ہے۔کہ کسی بھی وقت انسانوں کی یہ بستی ایٹمی جہنم کا نمونہ بن سکتی ہے۔ایٹمی طاقتوں کی ایٹمی جنگ روکنے کی تدبیریں عارضی ہیں۔اور فریب خوردگی کا مظہر ہیں ۔ظاہری اور مادی جہنم کے علاوہ انسانوں کے دل میں بھی ایک جہنم سرگرم عمل ہے۔ جس کی آگ کی تیزی لحہ بہ لحہ بڑھتی جا رہی ہے۔یہ سب باتیں ایسی ہیں جن سے کسی کو بھی اختلاف یا انکار نہیں ہوسکتا۔بلکہ ہر شخص یہی باتیں کہہ رہا ہے۔لیکن بات اسوقت بگڑتی ہے جب ان مسائل کا تجزیہ پیشِ نظر ہو یا اس صورتِ حال کو روکنے یا بدلنے کے طریق کار کا مرحلہ درپیش ہو۔اس وقت اس دنیا میں انسانوں کے دو گروہ ہیں ایک وہ اور وہ اکثریت میں ہے جو اس امر میں جاہلِ مطلق ہیں۔اور دوسرا وہ جو تجاہلِ عارفانہ کا مرتکب ہو رہا ہے اور وہ قلیل ہے۔تاہم ایسا شخص جس کے متعلق یہ کہا جائے کہ اسے اس معاملے کا کامل ادراک حاصل ہو چکا ہے۔عنقا ہے۔اس صدی کا سب سے بڑا فلسفی یعنی برٹرینڈ رسل باوجود اپنی علمی عظمت کے اس گمبھیر مسئلے کے کناروں کو ہی چھوتا نظر آتا ہے۔البتہ قرانِ حکیم ہی ایک ایسا ماخذ ہے جس نے اس بے حد باریک اور ہمہ گیر مسئلے کی تمام پیچیدگیوں کو حل کر کے اتنی واضح تصویر پیش کی ہے کہ انسانی ذہن جس کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔الحق کہ جتنا بڑا فریب اس جدید ایٹمی مادہ پرستی کے فلسفے کے روپ میں پیش کیا گیا ہے۔انسانی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قطعاً قاصر نظر آتی ہے۔جس موثر انداز میں ہوس کی سحر کاری کو اس فلسفے میں بروئے کار لایا گیا ہے۔اس کا مظاہرہ دیکھ کر خود شیطان بھی اپنی کارکردگی کے حوالے سے خفت محسوس کرتا ہے۔معلوم ہے کہ اس موجودہ زمانے کے جملہ مسائل اور خطرات اسی نئے فلسفے کے پیدا کردہ ہیں۔یہی نیا فلسفہ جس کا نعرہ ہے ’’انسانیت کی مادی بہبود کے لئے سائنس کی تحقیق کی روشنی میں قدرت پر انسانی تصرف‘‘۔پس معلوم ہوا کہ مرض کی تحقیق اور ازالے کے لئے اسی فلسفے کی تحقیق و تدقیق پر توجہ دینی ہوگی۔المیہ یہ ہے کہ انسانیت اس جدید فلسفے کی مادی افادیت کے سحر میں اس طرح مسحور ہو کر روائتی عاشق کی طرح اس طرح اندھی ہو جاتی ہے کہ اُسے اپنے محبوب میں خوبیاں ہی خوبیاں نظر آتی ہیں۔خرابی کوئی نظر نہیں آتی۔جو تجزیہ بھی آج تک اس جدید بیکنی فلسفے کے ظہور کے بعد ہوا ہے۔اسے دیکھنے سے یہی نظر آتا ہے کہ وہ ادھورا ہے۔تجزیہ نگار کمزوریوں اور مجبوریوں کا شکار ہے۔ہاں اگر کہیں کوئی بات اس کی

حقیقت اوراس سے پیدا ہونے والے خطرات کی نشاندہی کرتی نظر آئے تو پھر انسان کی مجبوری اور بے بسی آڑے آتی ہے۔اس جدید فلسفے کے اس اقتصادی، صنعتی ڈھانچے نے اس دنیا کو اس طرح لپیٹ میں لیا ہوا ہے۔جس طرح کہ جال میں لگی ہوئی مچھلیاں، انسان اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے یہ اونچی بلڈنگیں اور یہ کارخانے اور یہ ذرائع آمدورفت، ایسی زنجیریں ہیں جنھوں نے انسانیت کو ہر طرح سے جکڑ رکھا ہے۔اور جکڑ بھی رکھا ہے اور ایٹمی جہنم کی جانب کھینچ بھی رہی ہیں۔کوئی انسان اگر اس جال سے نکلنا چاہے تو بھی نہیں نکل سکتا۔مرکزی کردار ہوس اور دنیا طلبی کا ہے۔اور سب سے بڑی خلش ضمیر کی ہوتی ہے۔دینی جذبہ ضمیر کو ابھارتا ہے مگر ہوس کا غلبہ ہو اور ساتھ ہی مجبوری بھی ہو تو دینی کتب کو من مانی تفسیر و تعبیر کے ذریعے اپنے خیال کے حق میں ڈھال کر اپنی ضمیر کو مطمئن کرلیا جاتا ہے۔''خود بدل سکتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں'' ۔تاہم بمصداق''آفتاب آمد دلیلِ آفتاب''اس جدید فلسفے کے اثرات وخطرات و مسائل اب ایسی واضح اور تباہ کن صورت اختیار کر چکے ہیں کہ اگر تقدیر نے انسان کو مکمل طور پر اندھا نہیں کردیا تو ضرور اس مسئلے کی جانب انسانیت کی توجہ مبذول کرانے میں کوئی بھی بڑی دقت درپیش نہیں۔اس جدید فلسفے کے تین اہم بنیادی پہلو ہیں۔

(۱) سائنس کے سہارے انسانیت کی مادی بہبود

(۲) قدرت پر انسانی تصرف کا حق مادی بہبود کی غرض سے

(۳) اثرات وانجام

لہذا انہیں پہلوؤں پر اس جدید فلسفے کی تحقیق کو آگے بڑھنا چاہیئے۔اس مقصد کے لئے مندرجہ ذیل سوالات بحث کے بنیادی نکات کے طور پر پیش کئے جاسکتے ہیں:۔

(۱) سائنس کے سہارے انسانیت کی مادی بہبود۔اس جدید ترقی کی ماہیت کیا ہے؟اگر یہ ترقی لا متناہی اور روز افزوں ہے تو کیا اس کے کچھ خاص نتائج سامنے آئیں گے۔کیا یہ دین کے لئے معاون ثابت ہوگی یا متناقض۔کیا اگر یہ ترقی مسلسل بڑھتی ہی رہی تو کیا رفتہ رفتہ یہ انسانی ذہن پر قبضہ نہیں کرتی جائے گی اور اس طرح دین اور قیامت کے خیال کو انسانی ذہن سے خارج نہیں کرتی جائے گی اور اگر صورت یہ ہو تو کیا کوئی دین اس کی اجازت دے سکتا ہے۔اور اگر دے گا تو خود اپنی موت کے وارنٹ پر دستخط نہیں کرے گا۔اور اگر دین معدوم ہوگیا تو تباہی کے جدید سائنسی آلات اور مکمل بدنظمی کے ماحول میں انسانیت اپنے وجود کو قائم رکھ سکے گی؟قرانِ حکیم کی رائے اس جدید فلسفے اور اس جدید ترقی جیسی کہ یہ ہے کے متعلق کیا ہے؟کیا اس کے موافق ہے؟کیا اس کے مخالف ہے؟کیا مشروط ہے؟یا کیا قرانی تعلیمات کا مطمح نظر اور منتہائے مقصود ہی یہی جدید سائنسی ترقی ہے۔اگر موافق ہے تو کیا قران حکیم انسان کو اس جدید ترقی کے منطقی انجام یعنی ایٹمی تباہی سے بچاؤ کی ضمانت مہیا کرتا ہے ۔کیا اس جدید ترقی کی اس دوڑ کی موجودگی میں اسلامی نظام کلی طور پر نافذ ہوسکتا ہے؟اور اگر نافذ ہوجائے تو کیا اس ایٹمی تباہی سے بچاؤ ہوسکتا ہے؟غور آیات سے قران حکیم کا کیا مقصد ہے۔کیا یہی جو اس جدید فلسفے کا ہے یعنی آیات کا مادی استحصال یا کچھ اور۔کیا قران حکیم میں اس بات کی کوئی وضاحت نہیں ملتی؟

(۲) قدرت پر انسانی تصرف کا حق مادی بہبود کے لئے۔قدرت پر انسانی تصرف کے حق کا دعوی خدا کا ہے۔کیا انسان کو بھی اس دعوے

کا حق حاصل ہے؟ یعنی مادی استحصال سے صرفِ نظر قرآن حکیم کا نقطۂ نظر اس معاملے میں کیا ہے؟ تسخیرِ کائنات کی آیات میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ میں نے تمھارے لئے یہ سب کچھ مسخر کیا اور اللہ تعالیٰ اس احسان کے لئے شکریئے کی توقع کرتا ہے۔ جدید فلسفے کا یہ دعوی کہیں انسانی حدود سے تجاوز تو نہیں؟ کیا یہ خدا سے مقابلہ تو نہیں؟ کیا یہ انسانی غرور و تکبر کا سودا تو نہیں؟ اور انسان کو خدا کے غیض و غضب کا مستحق تو نہیں ٹھہراتا؟

(۳) جدید فلسفے اور جدید ترقی کے اثرات و انجام۔ کیا ایٹم بم اس جدید ترقی کا منطقی انجام ہے؟ کیا ایٹمی جنگ ہمیشہ کے لئے روکی جا سکتی ہے؟ کیا ایٹم بم یا ایٹمی تابکاری کے خلاف کوئی تحفظ ممکن ہے؟ کیا ایٹم بم ہتھیاروں کے زمرے میں آتا ہے؟ یا یہ عذابِ الٰہی ہے؟ قران حکیم نے جو ہتھیاروں کی فراہمی کی تاکید فرمائی ہے کیا وہ ایٹمی بم پر بھی لاگو ہوتی ہے؟ قوموں کو ایٹم بم بنانے چاہئیں یا کہ ایٹم بموں کی مخالفت کے لئے اٹھ کھڑا ہونا چاہیئے؟ اور سب سے بڑھ کر کیا یہ' سائنس کے سہارے انسانیت کی مادی بہبود قدرت پر انسانی تصرف کے لئے والا فلسفہ خدائی دین کے فلسفے کی ضد تو نہیں؟ یہ اور اس قسم کے بے شمار سوال اس ضمن میں زیرِ بحث آسکتے ہیں۔ سر جیمز جینز نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے۔ کہ" زمینی زندگی کے خاتمے کا سوال فلکیات تجویز کرتی ہے مگر اس کے جواب کے حصول کی آرزو ہمیں سیدھا طبعی سائنس کے دل میں لے جاتی ہے"۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایٹمی قیامت کا مضمون ایٹمی سائنس پیش کرتی ہے مگر اس سے بچنے کی تدبیر کے حصول کی آرزو ہمیں سیدھی قران حکیم کے دل میں لے جاتی ہے۔ جدید اٹامزم کا یہ بیکنی فلسفہ جس کا سارا زمانہ بلا شرکتِ غیرے پیرو ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسی کہ ایک تصویر کو الٹا کر کے لٹکا دیا جائے یعنی سر نیچے کی طرف اور ٹانگیں اوپر کو۔ آپ تجربہ کر سکتے ہیں کہ اگر آپ دینی فلسفے کو اُلٹا کر کے لٹکا دیں اس طرح کہ اس کا سر نیچے کو اور پاؤں اوپر کو اور اس کے ساتھ ہی جدید اٹامزم کا یہ بیکنی فلسفہ بھی لٹکا دیں تو دونوں بالکل ایک جیسے نظر آئیں گے۔ میں نے بعض آرٹسٹوں کے بنے ہوئے بعض ایسے چہرے دیکھے ہیں کہ ان کو سامنے رکھ کر دیکھو تو کسی ایک شخص کا چہرہ ہے لیکن اسی چہرے کو الٹا کر کے دیکھو تو یا للعجب کسی دوسرے انسان کا چہرہ ہے ۔ اسی قسم کی مثال یہ بیکنی فلسفے والی تصویر کی ہے۔ اور یہ فلسفہ الہامی دین کے فلسفے کا بالکل ہی الٹ ہے۔ گلیلیو نے سورج کی بجائے زمین کو سورج کے گرد گھما دیا لیکن اس سے بھی بڑا اور بنیادی کمال اس جدید فلسفے کے بانی مبانی فرانسس بیکن نے کیا تھا اس نے مذہبی فلسفے میں اخلاقی فلسفے کو اٹھا کر نیچرل فلسفے سائنس کی جگہ پر رکھ دیا اور نیچرل فلسفے کو اٹھا کر اخلاقی فلسفے کی جگہ پر رکھ دیا۔ یہی بنیاد تھی جس پر آنے والے پیروکاروں نے اپنی کاروائیاں کیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ گلیلیو نے کس طرح متداول شمسی نظام کا سر نیچے کو اور ٹانگیں اوپر کو کر دیں۔ پھر سپی نوزا آیا اور اس نے منصور حلاج والے وحدت الوجود کے مسئلے کے ساتھ یہی کچھ کیا یعنی وحدت الوجود کے مسئلے کا سر نیچے کو اور ٹانگیں اوپر کو کر دیں۔ منصور حلاج نے انسان کو مادی کائنات سے بلند کر کے خدا کے ساتھ ملا دیا۔ سپی نوزا نے خدا کو خدائی کے مقام سے نیچے لا کر اس مادی کائنات ہی کا روپ دے دیا۔ ڈارون نے یہی تجربہ انسان کے ساتھ دہرایا۔ انسان جسے اشرف المخلوقات اور فرشتوں کا مسجود قرار دیا جاتا تھا۔ ڈارون نے اس مسئلے کو الٹا کر دیا یعنی انسان کو کسی حقیر بندر کی اولاد قرار دے دیا۔ الغرض یہ جدید بیکنی فلسفہ کیا ہے؟ مداری کا تماشا ہے اور جس طرح سے مداری کے کمالات پر زیرک سے زیرک انسان کی نظر بھی فریب کھا جاتی ہے۔ اسی طرح سے زیرک سے زیرک انسان اور متقی سے متقی شخص بھی اس

فلسفے کی دجالی مہارت اور نوسر بازی کے فریب میں آجاتا ہے۔الحق کہ جسطرح یہ نوسر باز ہر دینی مسئلے میں ہر دینی آدمی کو اپنی منطق سے اس طرح لاجواب اور ساتھ ہی مطمئن کر دیتا ہے کہ شیطان بھی داد دیئے بغیر بلکہ حیرت کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا اللہ تعالی نے قرآن حکیم میں ایک مثال پیش کی ہے۔فرمایا۔

"افمن یمشی مکباً علی وجهه بھلا ایک جو چلے اوندھا اپنے منہ کے

اهدی امن یمشی سویا علی بل وہ سیدھی راہ پائے یا وہ شخص جو

صراط مستقیم" چلے سیدھا ایک سیدھی راہ پر" (

سورۃ الملک ۲۲)

اس آیتِ کریمہ کو سیاق وسباق میں پڑھنے سے واضح طور پر نظر آتا ہے کہ یہ گلیلیو کے منقلب اور مکبّب نظریئے پر بھی موزونیت سے منطبق ہوسکتا ہے۔لفظ مکبّب کا ماخذ کبّب ہے۔جس کے معنی ہیں کسی چیز کو گولے کی شکل میں بنا دینا۔کب کے معنی ہیں الٹ جانا۔کبّ کے معنی ہیں دھاگے کا گولہ۔اور یہ معاملہ صرف گلیلیو تک محدود نہیں بلکہ سارا بیکنی فلسفہ ہی منقلب اور مکبّبۃ ہے۔یہ مسئلہ بھی امتِ مسلمہ کو دعوتِ فکر دیتا ہے اور یہ قرآن حکیم بھی بڑے کمال کی کتاب ہے۔نیز یہ کہ عربی متن کا ہونا بھی ضروری ہے ورنہ ایسے نکتے ترجموں سے کہاں پیدا ہو سکتے ہیں۔ایک سوال اور بلا شک بڑا اہم سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کو دنیا کے ان موجودہ حالات میں یعنی اس بین الاقوامی بلڑ بازی اور بم سازی کے اس طوفان میں جو لازمی طور پر ایٹمی جہنم پر منتج و منتھی ہوگا کیا رویہ اختیار کرنا چاہیئے۔راہیں دو ہیں ایک یہ کہ اسلامی دنیا بھی اس بلڑ بازی میں شریک ہو کر جلد از جلد ایک ترقی یافتہ ایٹمی طاقت کے طور پر ابھرے اور اینٹ کا جواب پتھر سے دے۔بے شک آج اسلامی دنیا کے ہر فرد کی یہی سوچ ہے اور طبعی سوچ ہے یہ الگ بات ہے کہ غلط ہے یا صحیح۔دوسری راہ ہے کہ اسلامی دنیا نہ خود ایٹمی بم بنائے اور نہ کسی کو بنانے دے۔بے شک یہ بہت اونچا خیال ہے۔اور ساتھ ہی بہت سارے اوصاف اور بڑے مضبوط ایمان اور بہت ہی کڑی ہمت اور لامنتھی صبر و استقلال کا متقاضی ہے۔البتہ یہ درست ہے۔پہلی راہ اسلامی دنیا کو سوائے اس کے کوئی فائدہ نہ دے گی۔کہ اسے ایٹمی جہنم کا ایندھن بنا دے اور یہ ساری مخلوق ایٹمی آگ میں بھسم ہو جائے۔کاش کہ معاملہ یہیں ختم ہو جاتا کیونکہ پھر کوئی ایسی بڑی بات نہ تھی۔اس دنیا کو ایک نہ ایک دن فنا ہی ہونا ہے مگر قرآن حکیم کے مطابق اس ایٹمی جہنم کے مستحق لوگوں وہ خواہ کسی بھی طبقے سے تعلق رکھتے ہوں کے لئے اگلی لازوال، لافانی اور ابدی دنیا میں بھی ایک ایٹمی جہنم حُطمہ کے نام سے منتظر ہے۔دوسری راہ کی صورت میں اسلامی دنیا خود بھی اس دردناک انجام سے بچ سکتی ہے اور خدا کی اس مخلوق کو بھی بچا سکتی ہے اور یہ کوئی انوکھی بات نہیں رہی۔ایٹمی طاقتوں کے عوام میں ایک زبردست تحریک اس ایٹمی توانائی کے خلاف چل رہی ہے۔جو روز بروز آگ کی طرح پھیل رہی ہے مومن کی نگاہ اللہ تعالی کی نگاہ سے دیکھتی ہے مگر اللہ کی نگاہ اس معاملے میں کیا دیکھ رہی ہے۔مومن کی فراست مثالی ہے مگر یہ مثالی فراست اب انسانیت کو ایٹمی جہنم سے بچانے کے لئے کیا سوچ رہی ہے؟ ایک اور سوال اتنا بڑا ہے جتنا کہ ہمالیہ پہاڑ اور وہ ہے قرآن حکیم کے نظریئے کے متعلق جو اس جدید بیکنی فلسفے اور اس کے جملہ مظاہر کے بارے میں ہے۔اور اس کے مظاہر کیا ہیں۔یہی سائنس کی ایجادات اور یہ اقتصادی صنعتی ڈھانچہ آج اس

دور میں شائع ہونے والی اکثر و بیشتر تفسیرات اس معاملے میں ظاہر کرتی ہیں کہ قرآن حکیم ایک ایسی کتاب ہے جس کی بنیاد مادہ پرستی پر ہے۔ ان میں سے بعض تفسیریں یہاں تک کہتی ہیں کہ قرآن حکیم کا مطمح نظر اور منتہائے مقصود ہی یہی سائنسی ترقی ہے۔ اس طرح تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس امت کے اسلاف قرآنی تعلیمات سے غافل رہے اور یورپ والوں نے ہی قرآن حکیم کی حقیقت کو سمجھا۔ اور اب ضروری ہے کہ مسلمان اس نقصانِ عظیم کی تلافی مافات کے لئے سرگرم عمل ہو جائیں۔ اور اس کمی کو پورا کر کے ترقی یافتہ قوموں کے دوش بدوش ہو جائیں اور یہی خیال آج امتِ مسلمہ کے ہر فرد کا ہے بجز ایک کے۔ اگر بات ایسی ہی ہے تو پھر ثابت ہوا کہ قرآنی تعلیمات کا منطقی نتیجہ ایٹمی جہنم ہے۔ کیونکہ یہ بات مسلمہ ہے کہ یہ ایٹمی جہنم اس بیکنی اٹامزم کی سائنسی ترقی کا منطقی اور لابدی اور عملی نتیجہ ہے۔ اور یہ قرآن حکیم کی ذات پر ایک بہتانِ عظیم ہے۔ قرآن حکیم امن وسلامتی کا پیامبر ہے اور قرآنی تعلیمات کا منطقی نتیجہ۔ اس جہان میں امن واطمینان اور اگلی دنیا میں جنت الفردوس ہے۔ یہ ایٹمی جہنم بیکنی فلسفے کا منطقی انجام ہے۔ اور بیکنی فلسفہ قرآنی فلسفے کی ضد ہے۔ یہ ایک ایسا اہم اور اتنا دردناک مسئلہ ہے کہ اگر پھیلے تو پھیلتا ہی جائے مگر یہاں نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں نے اس زمین پر اپنی بڑی بڑی سلطنتیں قائم کیں اور کلچر کے بیش بہا اور قابل قدر نمونے پیش کئے اور بے شمار عالی شان عمارتیں بنائیں اور دولت ان کے پاؤں کی گرد بن گئی مگر ان کی اس کارکردگی کو دنیاوی ہونے کے باوجود اس بیکنی فلسفے سے کیا لگاؤ آج کا مسلمان پندرھویں صدی ہجری کی سیڑھی سے اسلام کے اسی شان وشوکت والے دور کی جانب لوٹنے کی بات کرتا ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ کسی کو اس بیکنی فلسفے کی ماہیت کا کچھ علم نہیں۔ لوگ اسے محض محنت کے ذریعے ترقی اور خوشحالی کا ایک فلسفہ سمجھتے ہیں اور جب تک لوگ اس فلسفے کی حقیقی ماہیت سے بے خبر رہیں گے وہ اسی ڈگر پر ہی اندھے، بہرے اور گونگے ہو کر چلتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ ایٹمی جہنم کے گرجتے ہوئے شعلے ان کو گھسیٹ لیں گے۔ ان کی مثال ایسی ہی ہوگی جیسی کہ کولمبس کی تھی کہ چلا ہندوستان کا راستہ مغرب کی جانب سے ڈھونڈھنے اور جا پہنچا امریکے۔ اسی طرح چلیں گے یہ لوگ اسلام کی عظمتِ پارینہ کی تلاش میں اور ملاقات ہو جائے گی ان کی ایٹمی جہنم سے۔

نہ تو قرآن حکیم مادہ پرستی کی کتاب ہے اور نہ ہی قرآن حکیم میں پائی جانے والی غورِ آیات اور تسخیرِ کائنات کی آیات کا ہدف وہ ہے جو اس بیکنی فلسفے کی روشنی میں ہونے والی لامحدود، روز افزوں، غیر مختتم قسم کی ترقی کی صورت میں نظر آتا ہے ۔قرآن حکیم موجود ہے اسے پڑھ کر معلوم کر لیں اس بات کی بڑی وضاحت کی گئی ہے اس کے مقابلے میں فرانسس بیکن اس جدید فلسفے کے بانی کی کتابیں موجود ہیں۔ انکو بھی پڑھ لیں اور پھر دونوں کا موازنہ کر کے اپنی خیر منائیں۔ ورنہ یورپ کی دُم سے بندھے ہوئے غلاموں کی طرح ایٹمی جہنم کے شعلوں میں جھونک دیئے جاؤ گے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی سوچ اس آدمی کی سی ہے جس کے سامنے ہزاروں سال تحقیق وتدقیق اور ترقی و مسافرت کے موجود ہوں۔ نہیں بات ایسی نہیں بلکہ مہلت گزر چکی ہے۔ توبہ کے در بند ہونے والے ہیں۔ کسی بھی لمحے کسی بھی طرف سے کسی بھی قسم کی ٹھاہ ہو سکتی ہے اور پھر "سب ٹھاٹھ دھرے رہ جائیں گے جب لاد چلے گا بنجارہ" اس جدید بیکنی اٹامزم کے فلسفے، اس کی ترقی اور اس کی تہذیب کے متعلق قرآن حکیم کا ایک نہائت ہی واضح اور نہائت ہی بے لچک نظریہ موجود ہے۔ اور ضرورت بلکہ اشد ضرورت اس بات کی ہے کہ قرآن حکیم کے اس مذکورہ نظریئے کی تفسیر فقر کی عینک لگا کر کی جائے۔ یہ بات اب گوارا نہیں کی جاسکتی کہ کیا اسلام ترقی کا

مخالف ہے؟ کیا اسلام ترقی پسند مذہب نہیں؟ نہیں اب نہ تو قرانِ حکیم کو ایسی تعریف کی ضرورت ہے نہ ہی یہ تعریف خود امت مُسلمہ یا انسانیت کے حق میں کچھ نفع بخش ہو سکتی ہے۔ باقی رہی مجبوریاں اور ضرورتیں، تو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ ساری مجبوریاں اور یہ ساری ضرورتیں اسی متقلب بیکنی فلسفے کی پیدا کردہ ہیں۔ اگر کوئی آدمی آگ میں کود ے اور آگ کو ہزار واسطے دے کہ مجبوری کی وجہ سے کودا ہوں تو ہرگز باور نہیں کیا جا سکتا کہ آگ اسکی مجبوری کے پیش نظر اسے جلانے سے باز رہے گی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثال دوسری ہے۔ نہ ہی انہوں نے آگ کو کوئی واسطہ دیا تھا۔ حتیٰ چور اگر چوری کا عذر اپنی مجبوری بتائے تو ہو سکتا ہے کہ مجسٹریٹ کے دل میں ترحم کے کچھ آثار پیدا ہو جائیں مگر قانون اسے تسلیم نہیں کرتا۔ اور پھر مجبوری کے مقابلے میں نتیجے کو رکھ کر دیکھا جائے جو ایٹمی جہنم کی جہاں سوز آگ ہے تو اس مجبوری کی کیا وقعت رہ جاتی ہے۔ میں نے عرض کیا ہے کہ قرانِ حکیم کے مذکورہ نظریئے کی تفسیر فقر کی عینک لگا کر کی جائے۔ حالات اس قدر خراب ہیں کہ سوائے اس کے کوئی چارہء کار نہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام امتِ مسلمہ میں ظاہر ہوں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام فقر کی علامت ہیں۔ اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''الفقر فخری'' یعنی فقر میرا فخر ہے۔ اس سے کم کوئی بھی تفسیر اس ایٹمی جہنم کے متوقع عذاب سے بچنے کے لئے سیدھی راہ نہیں دکھا سکتی۔ حضرتِ علامہ اقبالؒ نے اس معاملے میں کیا ہی پتے کی بات کی ہے۔ فرماتے ہیں۔

تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھ سے
حق تجھے میری طرح صاحبِ اسرار کرے

ہے وہی تیرے زمانے کا امامِ برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے

موت کے آئینے میں تجھ کو دکھا کر رخِ دوست
زندگی تیرے لئے اور بھی دشوار کرے

دے کے احساسِ زیاں تیرا لہو گرما دے
فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے

فتنہء ملتِ بیضا ہے امامت اس کی
جو مسلماں کو سلاطین کا پرستار کرے

(ضربِ کلیم صفحہ ۶۴)

موجودہ صورتِ احوال کا تجزیہ حضرت علامہ اقبالؒ یوں کرتے ہیں:۔

سب اپنے بنائے ہوئے زنداں میں ہیں محبوس
خاور کے ثوابت ہوں کہ افرنگ کے سیار

پیرانِ کلیسا ہوں کہ شیخانِ نے جدتِ گفتار ہے نے
حرم ہوں جدتِ کردار
ہیں اہلِ سیاست کے وہی شاعر اسی افلاسِ تخیل
کہنہ خم و پیچ میں گرفتار
دنیا کو ہے اس مہدیٔ برحق ہو جس کی نگہ زلزلۂ
کی ضرورت عالمِ افکار

(ضربِ کلیم صفحہ۴۴)

سر جیمز جینز اپنے ایک مضمون میں رقم طراز ہیں۔ کہ "اگر اس کائنات کی تخلیق کسی دوسرے قانون پر ہوتو دوسری قسم کے ایٹوں کے ساتھ دوسری قسم کی خاصیتیں وابستہ ہوں۔ اور یہ بات قرینِ قیاس معلوم نہیں ہوتی کہ تابکاری یا مقناطیس یا زندگی اس نظامِ تخلیق میں کہیں نظر پڑے"۔ بالکل اسی طرح اگر کوئی ایسا مفسر جس کی نگاہ دینی اور قرانی حقیقت پر ہو وہ قران حکیم کے اس نظریئے کی تفسیر جو اس جدید بیکنی اناامزم کے فلسفے کے بارے میں ہے فقر کے آئینے میں لکھے تو یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ ایسی تفسیر میں کہیں بھی نہ یہ بیکنی فلسفہ نظر آئے نہ ہی اس کے یہ حیرت انگیز مظاہر نہ یہ بڑے بڑے بینک۔ آج کی ناممکن باتیں کل کے حقائق بن کر اُبھر سکتے ہیں ۔ ہیروشیما میں ایٹم بم کے پھٹنے سے ایک سیکنڈ پہلے یہ دنیا سائنس کی جنت تصور کی جاتی تھی ایک سیکنڈ بعد سائنس کے دوزخ میں تبدیل ہوگئی۔

باب چہارم

اناامزمی ھمزہ اور لمزہ کلچر

اناامزم کا قدیم وجدید نظریہ دینی عقائد کے خلاف ایک مخصوص انداز کی عیب جوئی اور نکتہ چینی کی کوشش ہے اور یہ جدید اناامزم کا کلچر عیب جوئی اور نکتہ چینی کا کلچر ہے۔ البتہ مخصوص اناامزمی انداز میں اس کے علاوہ اس جدید دور میں بائبل کے جدید نقادوں کے نقد ونظر کا رویہ بھی اس حقیقت کی ناقابلِ تردید اور واضح شہادت پیش کرتا ہے ان جدید قسم کے جدید نقادوں نے بائیبل کو پرانی اُون کی طرح بیل دیا ہے مگر کیا مجال ہے کہ ان کے ماتھے پر کوئی شکن اُبھری ہو یا ان کی تحریر میں سہواً کوئی ایسی بات شامل ہوگئی ہو جس کا مبداء جذبات ہوں۔ اُنہوں نے بائبل کو محض ایک بیکار کتاب قرار دے کر اسے الگ رکھ دیا۔ ایک ایسی کتاب جو ان کے خیال میں روحانی اور معجزاتی خرافات کا پلندہ تھی اور جس کی تحریروں کا تعین غیر یقینی تھا۔ مذہب بالعموم بھی اس گدھ کی آنکھ اور چونچ کی دسترس سے نہیں بچ سکا۔ مذہب کو ایک ازکار رفتہ چیز اور ترقی کے منافی قرار دے کر محض ایک پرائیویٹ معاملے کے طور پر تہہ خانے میں ڈال دیا گیا ۔ وہ لوگ جو اس جدید بیکنی کلچر میں تکمیل کے مراحل کچھ زیادہ کر چکے ہیں اُنہوں نے مذہب کو پادریوں کے ظلم وستم کا ایک آلہ اور اس دنیا میں فتنہ فساد کی ایک جڑ اور انسانی قوی کے لئے ایک افیون قرار دے کر اپنی طرف سے اس کی بیخ کنی کے مراحل طے کر لئے ہیں اور یہ سب کچھ اس جدید دور کے فلسفے راشنلزم RATIONALISM کے نام پر ہوا اور جدید دنیا کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔

حیرت کی بات ہے کہ قرآن اس راشنلزم کے جدید ہتھیار کی دستبرد سے کیسے محفوظ رہا۔وہ مستشرقین اور دیگر لوگ جنہوں نے قرآن حکیم کے خلاف باتیں کی ہیں انہوں نے یہ سب اپنے جذباتی انداز میں کیا ہے۔وہ جدید اٹامزم کے جدید ہتھیاروں سے لیس نہ تھے۔ قرآن حکیم کے پیرو البتہ جدید اٹامزم کے اثر سے محفوظ نہیں رہ سکے اور اس جدید فلسفے نے ان کے ذہن میں قرآن حکیم کے اُس نظریئے کے متعلق جو اس جدید ایٹمی دور کے متعلق ہے بعض سنگین نوعیت کی غلط فہمیاں پیدا کر دی ہیں جو اُن کے لئے تباہ کن ثابت ہو سکتی ہیں۔میری خصوصی دلچسپی اس اٹامزمی قسم کی عیب جوئی اور نکتہ چینی میں اس لئے ہے کہ قرآن حکیم نے جدید بیکنی کلچر کے بیان میں ایک اصطلاح استعمال کی ہے۔ایک ایسی اصطلاح جو اس جدید بیکنی اٹامزم کی اس خصوصی قسم کی عیب جوئی کی حقیقت کو کچھ ایسی عمدگی اور ایسی وضاحت کے ساتھ پیش کرتی ہے جس کی توقع قرآن حکیم جیسے خدائی کلام کی اعجازی کیفیت سے ہی ہو سکتی ہے یہ اصطلاح ہے **الھمزہ لمزہ** ۔اور اس کی صوتی شکل کچھ عجیب وغریب قسم کی ہے۔اور یہ اصطلاح نام ہے ایک کردار کا۔اسی طرح جس طرح کہ جان بنیان کی کتاب پلگرمز پروگریس Pilgrim's Progress میں پائے جانے والے کرداروں کو دیئے گئے ہیں۔مثلاً مسٹر ہیگڈ اچھی طرح نفرت کرنے والا یا مسٹر ورڈلی وائز مین عقلمند دنیا دار وغیرہ اور اس کے علاوہ بھی دورِ جدید کے بعض یورپی ناولوں میں کرداروں کے اسی طرح کے نام دیکھنے میں آتے ہیں۔اس اصطلاح یعنی **ھمزہ لمزہ** کی صورت میں مزاح، حقارت اور نفرت کا پہلو نمایاں نظر آتا ہے۔فارسی میں اس قبیل کا محاورہ ہے ہیزم کش۔ایندھن جمع کرنے والا۔اردو میں بھی ایک ہلکی سی مثال بی جمالو کے کردار میں ملتی ہے مگر جو بات **ھمزہ لمزہ** میں ہے وہ کہاں۔قرآن حکیم کے تراجم میں اس اصطلاح کا ترجمہ سادے انداز میں ہی کیا جا سکتا ہے۔مثلاً اردو میں کہہ دیا جاتا ہے نکتہ چینی کرنے والا، عیب جُو، اور انگریزی میں کہہ دیا جاتا ہے **Backbiter and defamer** اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ اصطلاح اس جدید بیکنی کلچر کی عیب جوئی اور نکتہ چینی کی عادت کی خصوصی کیفیت کو نہائت عمدگی اور موزونیت کے ساتھ واضح کرتی ہے۔اور قرآن حکیم کے اولین مفسرین کرام اس اصطلاح کے معانی ومطالب کی وضاحت میں بے حد جدوجہد کرتے نظر آتے ہیں۔قرآن حکیم کی پیشین گوئی جو ایٹمی جہنم کے بارے میں ہے اسی اصطلاح سے شروع ہوتی ہے۔یہ پیشین گوئی قرآن حکیم کے نظریئے کو جو اس جدید بیکنی اٹامزم کے دور اور اس کی جملہ خصوصیات مثلاً ترقی وغیرہ کے متعلق ہے صراحت سے سامنے لاتی ہے۔اور جدید بیکنی اٹامزم کے زرطلبی پر مبنی دنیوی عقیدے کی تشریح کرتی ہے۔اور ایٹمی عمل کی سائنسی تشریح کرتی ہے اور ایٹمی جہنم کی پیدائش کو جدید بیکنی اٹامزم پر مبنی کرتی ہے۔ 36 لفظی یہ معجزانہ پیشین گوئی اللہ کے فضل وکرم سے میرا اپنا انکشاف ہے۔اور اس کی تفسیر کئی جلدوں پر مشتمل ہے۔اور اس دور کی انسانیت کو اس متوقع ایٹمی جہنم کے عذاب سے نجات دلانے کا واحد ذریعہ ہے۔البتہ اگر میری اس زیرِ نظر کتاب کو پڑھ کر قاری کریم نے اس جدید بیکنی اٹامزم اور قدیم یونانی اٹامزم کی اس خصوصی عادت کو جسے عیب جوئی اور نکتہ چینی کی ایک مخصوص کیفیت کا نام دیا جا سکتا ہے۔سمجھ لیا ہے تو میری محنت بر آئی۔یہ سمجھ آئندہ قرآن حکیم کی پیشین گوئی کو سمجھنے میں قاری کریم کے لئے بے حد ممد ثابت ہوگی۔انشاءاللہ تعالیٰ۔

باب پنجم

حطمہ کی سائنسی تشریح ایک خفیہ حقیقت کا انکشاف

قرآن حکیم کا ایٹمی دور کا ایک لازوال معجزہ

یہ بات کہ قرآن حکیم آج سے چودہ سو برس پہلے ایٹمی جہنم کی پیشین گوئی کرے۔اور سائنسی تشریحات کے علاوہ تنبیہی ہدایات دے۔اس سے بچنے کی تدابیر واضح کرے۔جملہ انسانیت کے لئے ایک عجوبے سے کم نہیں۔تاہم اس مضمون کو ماحقہ سمجھنا اور اس کی حقیقت کو جانچنا ایٹمی سائنس دانوں ہی کا حصہ ہے۔لاریب کہ یہ بات بہ نفس نفیس معجزوں کا معجزہ ہے۔جو قرآن حکیم کی الہامی حیثیت پر ایک نا قابل تردید دلیل ہے۔ قرآن حکیم نے حطمہ کا لفظ استعمال کیا ہے۔حطمہ اگلی دنیا میں ایک خاص نوعیت کی آگ کا ایک ابدی دوزخ ہے۔اس دنیا کا ایٹمی جہنم،ایٹم بم اور ایٹمی توانائی اور ایٹمی توانائی کے بعض دوسرے مظاہر کے علاوہ اس سارے ماحول سے جو اتامز مستی مادہ پرستی کی پیداوار ہے۔اور اگلی دنیا کے ابدی حطمہ کا ایک دنیاوی عارضی مظہر ہے۔بعینہ اسی طرح جس طرح آگ دوزخ کا اور باغ جنت کا اس دنیا میں مظہر ہے۔تابکاری کی آگ اول آفرینش سے ہی اس زمین پر موجود تھی۔مگر اس کا عالمی ظہور بیسوی صدی میں ہوا ہے۔غیر مستحق لوگ بھی مستحق لوگوں کے ہمراہی میں اس ایٹمی جہنم کی آگ کا شکار ہو سکتے ہیں۔تاہم اللہ تعالی کو بڑی توفیق ہے۔کہ اگلی دنیا میں ایسے لوگوں کی تلافیء مافات کردے۔قرآن حکیم کا دعوی ہے۔کہ قرآن حکیم میں انسان کا ہر مسئلہ موجود ہے۔تو پھر اس ایٹمی جہنم سے بڑھ کر انسان کا اور کون سا بڑا مسئلہ ہے۔قرآن حکیم میں عادو ثمود اور شعیب ولوط کی بستیوں کی تباہی کا ذکر بھی موجود ہے۔حالانکہ ان بستیوں کی حیثیت ایٹمی جہنم کی اس عالمی تباہی کے مقابلے میں کچھ بھی نہ تھی۔اور اس ایٹمی تباہی کے تذکرے کا قرآن حکیم میں نہ ہونا کچھ عجیب سا معاملہ ہوتا۔قرآن حکیم کی اس عظیم پیشین گوئی کا انکشاف اللہ تعالی کے فضل وکرم سے اس بندہ کا ہے۔اور یہ بندہ اپنی ذمہ داری تصور کرتا ہے۔کہ قرآن حکیم کے اس زبردست اتمام حجت اور ایٹمی جہنم سے بچنے کی نصیحت کو اقوام عالم کے گوش گزار کرے۔کیونکہ انسانیت کے مستقبل اور اس کی موت و حیات اور ہلاکت اور نجات کا راز اللہ تعالی نے قرآن حکم کی اس پیشین گوئی میں رکھ دیا ہے۔ایٹمی جہنم سے نجات کا طریقہ یہی ہے۔کہ وہ وجوہات جو قرآن حکیم نے ایٹمی جہنم کی پیدائش کی بیان فرمائی ہیں۔ان کو زائل کیا جائے۔قرآن حکیم کو جدید سائنس کے حوالے سے لکھنا ایک مشکل کام ہی نہیں بلکہ پرازخطر ہے۔اس وادی میں وہی قدم رکھے۔جو علمی لحاظ سے سائنس اور قرآن حکیم دونوں پر قرارواقعی عبور رکھتا ہو۔اور یہ کام آسان نہیں۔اور اس کا قلب نور سے منور ہو۔اور یہ اللہ تعالی کے اختیار میں ہے۔اور اللہ کی مدد بھی حاصل ہو۔مصنف کی ایک ذرا سی لغزش سے آسماں کا پایہ گر سکتا ہے۔کیونکہ قرآن حکیم کی عزت اور ہتک کا معاملہ درپیش ہے۔قرآن حکیم کی سبکی بےوجہ اور محض اپنی نادانی سے کرنے والا بڑی ہی خطرناک صورت حال سے دوچار ہوتا ہے۔مسئلہ پل صراط کا ہے۔اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔آج سے چودہ صدیاں قبل قرآن حکیم کا پوری نیوکلر سائنس کا جدید سائنسی طریقے پر بیان کردینا بذات خود قرآن حکیم کے الہامی ہونے کی ایک نا قابل تردید دلیل ہے۔یہی نہیں۔بلکہ قرآن حکیم نے اس پیشین گوئی میں چند لفظوں میں نیوکلر سائنس کے علاوہ پورے جدید اتامز مسلک میٹیریلازم کا بیان ایٹمی جہنم کی ریفرنس سے کردیا ہے۔پیشین گوئی کے یہ چند الفاظ اپنے اندر سائنس اور فلسفے کی ایک دنیا لئے ہوئے ہے۔پیشین گوئی کا متن حسب ذیل ہے۔ **ویل الکل الھمزہ لمزہ . ن الذی جمع مالا و عددہ . یحسب ان مالہ اخلدہ . کلا لینبذن فی**

الحطمه .وما ادراک مالحطمه.نارالله الموقده التی تطلع علی الافئده .انها علیهم موصده . فی عمد ممدده (القران ۱۰۴) ترجمہ مندرجہ ذیل ہے۔"خرابی ہے ہر طعنہ دینے والے۔عیب چننے والے کی جس نے مال سمیٹا۔اور گن گن کر رکھا۔خیال کرتا ہے۔کہ اس کا مال سدا رہے گا اس کے ساتھ۔ہرگز نہیں وہ پھینکا جائے گا۔اس روندنے والی حطمہ میں۔اور تو کیا سمجھا۔کون ہے وہ روندنے والی۔ایک آگ ہے۔اللہ کی سلگائی ہوئی۔جو چڑھتی ہے دلوں تک۔وہ بند کی ہوئی ہے آگ ان پر۔لمبے لمبے ستونوں میں"۔(الھمزہ ۱۰۴)۔

قران حکیم نے حطمہ کی بنیادی خصوصیات بیان فرمائی ہیں۔یہی ایٹمی توانائی کی بنیادی اور امتیازی خصوصیات ہیں۔جو اسے کیمیائی توانائی سے ممیز کرتی ہیں۔قران حکیم نے لفظ حطمہ کا استعمال کیا ہے۔حطمہ ایک جہنم ہے۔اگلی دنیا میں ایک مخصوص قسم کی آگ کا۔دوسری قسم کی آگوں کے درمیان اور اس آگ کی بنیادی اور امتیازی خاصیتیں جو قران حکیم نے بیان فرمائی ہیں۔اور جو حطمہ کی آگ کو دوسری قسم کی جہنمی آگوں سے ممیز کرتی ہیں۔وہی خاصیتیں ایٹمی توانائی کی بنیادی اور امتیازی خاصیتیں ہیں۔جو اسے دوسری قسم کی توانائیوں سے ممیز کرتی ہیں۔یہی ہمارا مضمون ہے۔اور ہم نے یہ بات سائنس کی روشنی میں پایہء اثبات تک پہنچانی ہے۔کہ حطمہ کی خاصیتیں اور ایٹمی توانائی کی خاصیتیں ایک ہی ہیں۔حطمہ کی آگ کی خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں (۱) یہ کہ یہ آگ ایک کرشر ہے۔یعنی ریزہ ریزہ کرنے والی ہے۔
(۲) یہ کہ یہ دلوں تک اور دلوں پر چڑھتی ہے۔(۳) اور یہ کہ ایک گھیراؤ کرنے والی آگ ہے لمبے لمبے ستونوں میں۔

اب یہ ثابت کرنا ہوگا۔کہ ایٹمی توانائی بھی ایک کرشر ہے۔دلوں تک چڑھتی ہے۔اور گھیراؤ کرنے والی ہے لمبے لمبے ستونوں میں۔حطمہ اور ایٹم۔قران حکیم نے لفظ حطمہ کا استعمال کیا ہے۔حطمہ کا ماخذ سہ حرفی فعل حطم ہے۔اور حطم کے معنی ہیں کسی چیز کو ریزہ ریزہ کرنا۔اسی طرح حطمہ کے معنی ہوتے ہیں۔ریزہ ریزہ کر ڈالنے والا۔عربی لفظ حطم اور انگریزی لفظ ایٹم کی صوتی بلکہ معنوی مماثلت کسی گہرے رابطہ کی نشان دہی کرتی ہے۔ایٹم وہی یونانی لفظ اٹامس ہے۔جسے قدیم یونانی فلسفی اصطلاحا اس کے حقیقی معنوں میں استعمال کرتے تھے۔یعنی وہ انتہائی ذرہ جسے مزید توڑا نہ جا سکے۔لیکن موجودہ دور میں ایٹم ٹوٹ گیا۔اور اس کے اصطلاحی معنے منسوخ ہو گئے۔تاہم سائنس دانوں نے اسی لفظ یعنی ایٹم کو ہی برقرار رکھا۔اگر دوسرے اسرار و رموز جو اس ضمن میں لاحق ہیں ان سے صرف نظر کیا جائے۔تو قران حکیم کی اصطلاح یعنی حطم جو توڑنے پھوڑنے کے معنی میں مستعمل ہوتی ہے۔سائنس دانوں کی اصطلاح یعنی ایٹم جو ان معنوں کی ضد ہے، کے مقابلے میں اصولاً مبنی بر صحت ہے۔ضروری امر، بحر حال اس معاملے میں یہ ہے کہ حطمہ کے معنی ہیں۔کرشر۔جسے بعض اکابر اردو مترجمین نے روندنے والی کہا ہے۔اب ہم دیکھیں گے۔کہ ایٹمی توانائی اور اس کے جملہ مظاہر ایٹمی توانائی کی پیدائش سے لے کر اس کی تابکاری کے آخری عمل تک توڑ پھوڑ کرنے کا ایک واضح سلسلہ ہیں۔ایٹمی توانائی ایک ایسے عمل کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔جس میں ایٹموں کے نیوکلیائی (مرکزی دل) کو توڑا جاتا ہے۔ایٹمی توانائی دو طریقوں سے پیدا کی جاتی ہے۔ایک کہلاتا ہے فژن پراسس اور دوسرا کہلاتا ہے فیوژن پراسس۔اول الذکر میں ایک فرد ایٹم کا نیوکلس توڑا جاتا ہے۔جب کہ آخر الذکر کی صورت میں چند ایٹموں کے نیوکلائی (مرکزی دل) ایک دوسرے میں پگھل دیئے جاتے ہیں۔اور اس طرح ایٹمی توانائی پیدا ہوتی ہے۔اور حقیقت یہ ہے۔کہ ایٹمی توانائی اس ارتباطی توانائی کے سوا کچھ نہیں۔جس نے ایٹم کے نیوکلس کے اجزاء مثلاً پروٹان، نیوٹران وغیرہ کو آپس میں باندھ رکھا ہے۔جب ایٹم کا نیوکلس ٹوٹتا ہے۔تو اس کے یہ معنی ہیں۔کہ نیوکلس کے اجزا کو باہم دیگر مربوط رکھنے والی توانائی ٹوٹتی ہے، جس طرح روئی کی ایک گٹھ کو باندھنے والی پتری کو کاٹا جاتا ہے۔تو یہ اچھلتی ہے۔ایٹمی توانائی پیدا کرنے کے عمل میں نہ تو دیا سلائی کی ضرورت ہے نہ ہی کوئی جلنے کا عمل ہے۔ظاہر ہوتا ہے۔جس طرح کہ کیمیاوی عمل میں ہوتا ہے۔صرف توڑ پھوڑ کا عمل ہی سب کچھ کرتا ہے۔اور یاد رکھنے والی بات یہ ہے۔کہ ایٹمی توانائی کی یہ خصوصیت ان خصوصیات میں سے ایک ہے۔جو ایٹمی توانائی کو کیمیائی توانائی سے ممیز کرتی ہے۔گویا کہ یہ ایٹمی توانائی کی ایک

امتیازی خاصیت ہے۔ جو قرآن حکیم نے بنیادی طور پر بیان فرمائی ہیں۔ یعنی یہ کہ ایٹمی توانائی توڑ پھوڑ کے عمل سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ خاصیت کسی دوسری توانائی میں موجود نہیں۔ از قبیل کیمیاوی توانائی۔ دوسرا امتیاز یہ ہے۔ کہ ایٹمی توانائی ایٹموں کی نیوکلس توڑنے سے پیدا ہوتی ہے۔ یعنی ایٹم کے نیوکلس (مرکزی دل) تک پہنچتی ہیں۔ جب کہ کیمیاوی عمل کبھی آگ کے نیوکلس کو چھوتا تک نہیں۔ کیمیاوی آگ کسی مادے کو بھسم تو کر سکتی ہے۔ مگر اس مادے کے ایٹموں کے نیوکلائی کو سالم و کامل چھوڑ دیتی ہے۔ مگر ایٹمی توانائی ایٹم کے نیوکلس کو تہس نہس کر دیتی ہے۔ اسی طرح ایٹمی توانائی ایٹم کو جسے کائنات کی بنیادی اینٹ سے تشبیہ دی جاتی ہے توڑ کر تہ وبالا کر دیتی ہے۔ اور یہ توڑنا ایسا ہے۔ کہ جسے دوبارہ جوڑا نہیں جا سکتا۔ جب کہ کیمیاوی عمل میں ضائع ہونے والی شے کو تالیفی طریقے کے ذریعے دوبارہ پیدا کیا جانا ممکن ہے۔ جب کہ ایٹمی توانائی سے توڑے جانے والے ایٹم کے معاملے میں تالیفی عمل تا حال ممکن نہیں۔ نہ ہی اس کے ممکن ہونے کے آثار ہیں۔ لہذا معلوم ہوا۔ کہ کائنات کی تکوینی بنا کو کلیتہ روند ڈالنے کی اہلیت حطمہ ہی کو ہے۔ لہذا قرآن حکیم کی جانب سے اس آگ کو حطمہ کا نام دینا مبنی بر حقیقت ہی نہیں۔ بلکہ ایک زبردست خفیہ حقیقت کا انکشاف بھی ہے۔

تمت بالخیر

ادارہ افکار جبریل کی اشاعت

۱۔ علوی اعوان قبیلہ مختصر تعارف ---علامہ یوسف جبریل

۲۔ یہودیت، عیسائیت اور اسلام۔---علامہ یوسف جبریل

۳۔ قدیم و جدید ایٹامزم اور دو رسائنس کی مثلث۔ علامہ یوسف جبریل

۴۔ بیکن دجال، امام مہدی، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ علامہ محمد یوسف جبریل

۵۔ ایٹمی جہنم بجھانے والا قرآنی فارمولا۔ علامہ محمد یوسف جبریل

۶۔ فلسفہ تخلیق کائنات اور قرآن حکیم۔ علامہ محمد یوسف جبریل

۷۔ سیادت علویہ تحریر سید زین العابدین علوی

۸۔ تاریخ سیادت علوی و اعوان تحریر سید زین العابدین علوی

۹۔ فقر غیور، علامہ محمد یوسف جبریل

۱۰۔ انوار السیادت فی آثار السیادت تحریر سید شریف احمد شرافت نوشاہی

۱۱۔ ایٹمی بم، ایٹمی جہنم اور قرآن حکیم علامہ یوسف جبریل

۱۲۔ اینی مری شمل اور علامہ یوسف جبریل کے درمیان مزاکرہ کی تفصیل

۱۳۔ لوامع البرکات فی تحقیق السادات تالیف پیر سید ابو الکمال برق نوشاہی

۱۴۔ تاریخ علوی اعوان (زیر طبع) تحریر ملک محبت حسین اعوان

۱۵۔ اعوان شخصیات (آزاد کشمیر بشمول سنگولہ) ملک محبت حسین اعوان

۱۶۔اعوان شخصیات پنجاب (زیر طبع) ملک محبت حسین اعوان

۱۷۔کیااعوان سادات ہیں ۔تحریروزیرالحسین علوی ایران

۱۸۔ تاریخ مظفر گڑھ (زیر طبع) قاضی مقصود الحسن اعوان

۱۹۔ندائے وقت،صدائے وقت،آوازوقت،چراغ وقت تحریرعنایت اللہ

۲۰۔تاریخ تلہ گنگ (زیر طبع) تحریر ملک محمد ریاض اعوان

۲۱۔تاریخ تلہ گنگ (زیر طبع) تحریر ذہیر حسنین مختطر علوی